THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

معالم القرآن میں مذکور مباحثِ تفضیلِ رسالت اور نظامِ خصائص کا کلامی و اسلوبیاتی جائزہ اور اس کی عصری معنویت

A THEOLOGICAL AND STYLISTIC CRITIQUE OF PROPHETIC PREFERENCE AND THE SYSTEM OF ATTRIBUTES IN 'MA'ALIM AL-QUR'AN' AND ITS CONTEMPORARY RELEVANCE

Ghazala Shaheen,
Ph.D Scholar, department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan,
shaheenghazala778@gmail.com
Dr. Muhammad Zakariya,
Lecturer department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan,
zakariya336@awkum.edu.pk

Abstract:
The concept of prophetic preference (Tafḍīl al-Risālah) and the structured system of prophetic attributes (Niẓām al-Khasā'iṣ) represent foundational nodes within Islamic theology (ʻIlm al-Kalām). This research paper offers a rigorous theological and stylistic critique of these dimensions as articulated by the eminent South Asian exegete, Mawlana Muhammad Ali Siddiqui Kandhlawi, in his monumental work Maʻālim al-Qur'ān. By synthesized analysis of the apparent dialectical tension between the absolute Qur'anic assertions of prophetic hierarchy and the canonical prophetic traditions prohibiting exclusionary superiority, Kandhlawi constructs a balanced theological framework. He distinctively utilizes the metaphysical formulations of Imam Muhammad Qasim Nanautawi regarding Christological realities and the intrinsic virtues of Prophet Muhammad (ﷺ), while systematically mapping the traditional Khasā'iṣ against the literary and syntactical paradigms of the Qur'anic text.
In addition to its hermeneutical exploration, this study evaluates the contemporary relevance of Kandhlawi's theological discourse amidst modern existential challenges. In an era dominated by secular globalization, western orientalism, and the philosophical onslaught of modern religious pluralism, Maʻālim al-Qur'ān offers a profound intellectual antidote. The research highlights how the text establishes the absolute universal sovereignty (Al-Baʻthah al-ʻAmmah) and global mercy (Raḥmah lil-ʻĀlamīn) of the Prophet (ﷺ) as a comprehensive ideological paradigm capable of dismantling contemporary epistemic challenges. Ultimately, this study serves to restore theological moderation within the contemporary Muslim discourse, navigating carefully between the dual extremes of dogmatic exaggeration (Ghulū) and modern reductionism, thereby presenting a multi-faceted model of prophethood that is both academically robust and contextually pertinent.

Keywords: Diplomacy, Mubahalah, Najran, Commentary, Treaty, Dialogue, Deadlock, Evolution, Minorities, Justice

اسلامی الہیات، علمِ کلام اور مطالعۂ سیرت میں منصبِ رسالت کی فکری تفہیم اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کے مابین درجات کا تعین ہمیشہ سے ایک اساسی اور حساس موضوع رہا ہے۔ قرآنِ کریم نے جہاں ایک طرف تمام انبیاء و مرسلین پر ایمان لانے اور ان کے بلا تفریق احترام کو ایمان کا جزوِ لازم قرار دیا، وہاں دوسری طرف کلامِ الٰہی کی صریح اور فصیح آیات نے اس برگزیدہ جماعت کے مابین درجات کی بوقلمونی اور افضلیتِ محمدی ﷺ کے ایک ابدی و اعجازی نظام کی بھی واشگاف الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے۔ سورہ البقرہ کی صریح آیاتِ تفضیل اسی آفاقی حقیقت کی غماز ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے ممتاز مفسر اور جلیل القدر متکلم، مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی نے اپنے شاہکار تفسیری کام "معالم القرآن" میں روایتی تفسیری اسلوب سے ہٹ کر، ان کلامی مباحث کو گہری عقلی، اسلوبیاتی اور محدثانہ بصیرت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف رسالت اور نبوت کے کلامی فرق کو حافظ ابن تیمیہؒ جیسے اکابرین کے اقوال سے واضح کیا، بلکہ امام محمد قاسم نانوتویؒ کے مابعد الطبیعاتی اور فلسفیانہ اصولوں کی روشنی میں حضور ﷺ کے کمالاتِ تکوینی اور "موصوفِ ذاتی" ہونے پر ایک اچھوتی بحث کی ہے۔ کاندھلوی صاحب کی اس علمی کاوش کا حسن یہ ہے کہ انہوں نے محدثانہ خصائص کے اجمال کو قرآن کے صریح بیانات کے ساتھ جوڑ کر ایک ایسا فکری نظام ترتیب دیا ہے جو افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال کا مظہر ہے۔

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

موجودہ مادی دور، جسے جدید فکری اصطلاح میں "عالمگیریت"(Globalization) اور "عالمی گاؤں"(Global Village) کا نام دیا گیا ہے، مسلم امہ کے سامنے کئی فکری چیلنجز لے کر آیا ہے۔ اس مادی عالمگیریت کے متبادل کے طور پر اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی حضور ﷺ کی "بعثتِ عامہ" اور "رحمت للعالمین" کے تصور کی صورت میں ایک آفاقی اور بین الاقوامی عمرانی ماڈل پیش کر دیا تھا، جو تمام جغرافیائی اور نسلی عصبیتوں کو پامال کرتا ہے۔ عصرِ حاضر میں اس تحقیق کی ضرورت درج ذیل وجوہات کی بنا پر انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اول یہ کہ دورِ حاضر کا ایک بڑا لبرل فتنہ مذہبی تکثیریت (Religious Pluralism) کی آڑ میں یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ تمام مذاہب نجات کے لیے یکساں مادی راستے ہیں اور اسلام کی کوئی انفرادی یا آفاقی حاکمیت نہیں ہے۔ "معالم القرآن" کے مباحثِ سیرت تکمیلِ دین اور بعثتِ عامہ کی روشنی میں اس نظریے کا مادی بطلان کر کے اسلام کی ابدی سیادت ثابت کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ مستشرقین اور مغربی میڈیا کی جانب سے اسلاموفوبیا کے تحت ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کو شدت پسندی یا کسی مخصوص خطے تک محدود کر کے پیش کیا جاتا ہے، جبکہ کاندھلوی صاحب کی اسلوبیاتی توجیہات یہ ثابت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کی رحمت تمام جہانوں، انسانوں، جمادات اور حیوانات کے لیے ایک فطری سائبان ہے۔ سوم یہ کہ معاصر مسلم معاشرہ دو فکری انتہاؤں کا شکار ہے؛ ایک طرف غلو آمیز عقیدت ہے جو الٰہی اور عبدیت کے حدود کو خلط ملط کر دیتی ہے، اور دوسری طرف جدید طبقہ ہے جو منصبِ رسالت کو محض ایک عام انسان یا پیغام رساں تک محدود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ، "معالم القرآن" کے ان اچھوتے مباحثِ سیرت کو ریسرچ جرنل کے اعلیٰ معیار پر مدون کرنا وقت کی اہم علمی ضرورت ہے، تاکہ مسلم دانشوروں اور عام قارئین کے سامنے سیرتِ طیبہ کا وہ آفاقی، ادبی اور متکلمانہ رخ سامنے آسکے جو عصری چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

منصبِ رسالت و نبوت کا کلامی فرق اور افضلیتِ مصطفیٰ ﷺ کا اعجازی نظام

مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی سورہ البقرہ کی آیات تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ * تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ"[1] کے تحت رسولِ اکرم ﷺ کے منصبِ رسالت، کائنات میں آپ کی افضلیت، اور نبوت و رسالت کے مابین علمی و کلامی تفریق پر تفصیلی بحث فرماتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ آیات کے باہمی ربط اور فلسفۂ جہاد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پہلی آیت اور یہ آیت روح القدس کے سلسلہ کلام میں بطورِ التفات آئی ہے۔ اس سے پہلے ذکر تھا کہ اللہ سبحانہٗ جہاد کا حکم نہ دیتا اور اس کے نیک بندے زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے کے لیے تلوار نہ اٹھاتے تو بدکار اور غنڈے زمین کو امن و سلام کی جگہ شر و فساد کا گہوارہ بنا دیتے اور اللہ کی زمین نیکی اور تقویٰ سے خالی ہو جاتی—اور بعد میں بتایا ہے کہ انسانوں نے انبیاء کی صاف اور کھلی ہدایت کے باوجود انبیاء کے بعد جنگ و نزاع اور باہمی خوں ریزی کا ایسا بیج بو دیا جو ہمیشہ پھل لاتا رہا ہے۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ اس نے ہدایت و ضلالت کے بارے میں جبر کا طریقہ اختیار نہیں کیا اگر وہ ایسا کرتا تو کوئی بھی ایمان چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار نہ کرتا—ان دونوں باتوں کے درمیان جن کا تعلق جہاد کی ضرورت اور حکمت سے ہے یہ دو آیتیں آئی ہیں ایک تلک آیات اللہ انلوھا الخ اور دوسری تلک الرسل فضلنا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس موقعہ پر اولاً حضور انور کی رسالت کی اور پھر رسولوں میں آپ کی فضیلت کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے؟[2]

اس بات کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے آپ سمجھیں کہ رسول کسے کہتے ہیں اور رسالت کیا ہوتی ہے؟ کیونکہ دونوں آیتوں میں اصل مقصود یہی ہے اسی کو زوردار بنانے کے لیے ان اور تاء تاکید لائے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ کلام میں جس چیز پر زور ہوتا ہے وہی مقصودِ کلام ہوتا ہے۔ اس مرتبہ پر اس پر زور دینے کی وجہ یہ ہے کہ نبی ہونے کے لیے صرف صاحبِ وحی ہونا ضروری ہے لیکن نبی ہونے کے بعد جب اللہ سبحانہٗ کی جانب سے اسے کافر قوم تک پہنچانے پر مامور کر دیا جائے تو وہ رسول ہوتا ہے۔ نبی صرف اہلِ ایمان تک پیغام پہنچاتا ہے اور رسول اہلِ ایمان کے ساتھ اہلِ کفر تک پیغام پہنچانے کے لیے مامور ہوتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں[3] کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو غیب کی خبریں وحی کے ذریعے دے کر نبی بنادے تو وہ نبی ہو جاتا ہے اور جب تک کسی کافر قوم کو خدائی پیغامات پہنچانے کا اس کو حکم نہ دے۔ اس وقت تک وہ صرف نبی رہتا ہے خواہ وہ کسی پہلی شریعت پر ہی عمل کرتا رہے۔ ہاں جب اس کو کسی کافر قوم تک اللہ کے احکام پہنچانے کا حکم ہو جائے تو اب نبی ہونے کے ساتھ رسول اللہ بھی بن جاتا ہے حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان جس قدر اللہ کے برگزیدہ بندے آئے وہ سب انبیاء تھے۔ رسول ان میں کوئی نہ تھا۔ ان کا وظیفہ صرف یہ تھا کہ وحی ربانی پر خود عمل کریں اور مومنوں کی جو جماعتیں ان کے سامنے تھیں ان کو بھی عمل کرنے کا حکم دیں، جب حضرت نوح علیہ السلام کا دور آیا اور کفر ظاہر ہوا تو اب اُن کی اصلاح کے لیے حضرت نوح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے اور وہ رسول اللہ کہلائے اسی لیے اُن کو حدیثوں میں سب سے پہلا رسول کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ رسول کے لیے جدید شریعت لانا قطعاً ضروری نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام رسول تھے باوجودیکہ وہ ملتِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ اسی طرح حضرت

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

داؤد علیہ السلام بھی رسول تھے اور شریعتِ تورات پر عامل تھے۔[4]

اب سمجھئے کہ پہلے قرآن نے حضرت داؤد کا کافروں کے مقابلے میں جہاد کا تذکرہ کیا اور پھر جہاد کی حکمت یہ بیان کی کہ اگر قوموں اور جماعتوں کی کشمکش میں مدافعت نہ ہوتی تو دنیا سے حق وعدالت کا نام ونشان مٹ جاتا۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے باطل کی سرکوبی کا یہ انتظام فرمادیا ہے۔ آپ بھی اللہ کے رسولوں میں اور رسول ہونے کی حیثیت میں آپ کا بھی سابقہ کافروں سے پڑا ہے جو منزل دوسرے رسولوں کو کافروں سے مقابلے کی پیش آتی رہی ہے وہ رسول ہونے کی حیثیت میں سنّتِ الٰہی کے مطابق آپ کو بھی پیش آئے گی۔ رسولوں کا رسالت کے لحاظ سے اگرچہ درجہ یکساں ہے لیکن اس میدان میں جو جتنی زیادہ آزمائشوں سے گزرتا ہے اور جس قدر زیادہ محنت کرتا ہے وہ اپنی محنت کے لحاظ سے اسی قدر بلند درجہ رکھتا ہے اور اسی قدر افضل ہوتا ہے آپ کی رسالت قومی، ملکی رسالت نہیں بلکہ عالمی اور بین الاقوامی رسالت ہے۔ اس لیے آپ کا مقام بھی رسالت میں اپنے کام اور محنت کے لحاظ سے زیادہ ہے اور چونکہ آپ کا کام اور محنت سب سے زیادہ ہے اس لیے آپ کی فضیلت بھی سب سے زیادہ ہے۔[5]

اسی بنا پر قرآن نے آپ کی وحی اور آپ کی رسالت کے ذکر میں مشبہ بہ کی حیثیت سے ان انبیاء کا نام لیا ہے جن کا پالا وقت کی طاغوتی طاقتوں سے پڑا اور جنہوں نے اس راہ میں بے حساب محنت کی ہے مثلاً حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام۔ اگرچہ حضرت موسیٰ کا سابقہ فرعون سے پڑا ہے مگر حضرت موسیٰ کے ساتھ اہلِ ایمان کا ایک گروہ پہلے سے موجود ہے لیکن حضرت ابراہیم نے جو کام رسالت کا کیا ہے وہ مثالی ہے۔ وہ ایسے ملک میں ہوئے جہاں ان کا کوئی ساتھی نہ تھا اور ایسے بادشاہ کے سامنے جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا سرکش بادشاہ تھا تن تنہا حضور انور کی طرح دعوتِ حق کا حربہ لے کر کھڑے ہوئے اور کامیاب ہوئے۔ اس لیے درود میں تشبیہ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام آیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن یہاں یہ بتانا چاہتا ہے کہ رسول ہونے کی وجہ سے جنگ کی منزل آپ کو پیش آکر رہے گی اور چونکہ آپ کا کام عالمی ہے اس لیے آپ کا مقام تمام رسولوں میں برتر، اعلیٰ اور افضل ہوگا، اوروں کو اگر ایک درجہ میں بزرگی ملی ہے تو آپ کو ایک میں نہیں بلکہ عظیم درجات میں فضیلت ملے گی۔[6]

عصری معنویت

جدید مغربی دنیا نے "عالمگیریت"(Globalization) اور "عالمی گاؤں"(Global Village) کا مادی تصور پیش کرکے دنیا پر اپنے قوانین مسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مبحث واضح کرتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی چودہ سو سال پہلے ہی ایک بین الاقوامی اور عالمی رسالت لے کر تشریف لائے تھے جو کسی جغرافیائی، قومی یا نسلی حدود کی پابند نہیں ہے۔ معاصر مسلم امہ کے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ وہ کسی بھی قسم کی علاقائیت، قوم پرستی (Nationalism) یا مادی لسانی عصبیتوں کا شکار ہونے کے بجائے رسالتِ محمدی ﷺ کے عالمگیر فکری فلسفے کو اپنائیں، کیونکہ اسلام ہی دنیا کو حقیقی معنی میں امن اور مساوات کا بین الاقوامی ماڈل فراہم کر سکتا ہے۔

کمالاتِ مصطفیٰ ﷺ کا فلسفۂ تکوینی

مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی سورہ البقرہ کی آیت "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ"[7] کے تحت حضور انور ﷺ کی کلی فضیلت اور آپ کے کائناتی کمالات پر کلامی بحث کرتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ برصغیر کے جلیل القدر متکلم امام محمد قاسم نانوتوی کی مابعد الطبیعاتی اور عقلی توجیہ کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا نے جو عقلی توجیہ فرمائی ہے وہ قابلِ شنید ہے:

"اللہ سبحانہ کی اوّلین تجلّی اس کائناتِ ہست وبود میں ہر قسم کی ساری صفتوں کا سرچشمہ اور ہر طرح کے جلال وجمال کے احوال وظروف کا حرفِ اوّل ہے۔ اور تمام کائنات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس اوّلین تجلّی کے اصلی اور واقعی قالب ہیں۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ جیسے تجلّی اوّل عالمِ وجوب میں حقیقت الحقائق ہے ایسے ہی تجلّی اوّل کا قالب عالمِ امکان میں حقیقت الحقائق ہے۔ اس بنا پر ملائکہ ہوں یا جنات، اولادِ آدم ہوں یا کوئی اور مخلوق علمی اور عملی کمالات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرح دست نگر ہوں گے جیسے چاند اور تارے آفتاب کے دست نگر ہوتے ہیں۔"[8]

خصائص سبعہ کا محدثانہ جائزہ

جس کلی فضیلت کی طرف انبیاء کے مقابلے میں یہاں قرآن نے اشارہ کیا ہے زبانِ نبوت نے خود اس کی جزئیات بھی پیش فرمائی ہیں یعنی دوسرے انبیاء کے

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

مقابلے میں جو فضائل اور خصائص آپ کو عطا ہوئے وہ متعدد اور معتبر حدیثوں میں مختلف تعدادوں میں نام بنام زبانِ اقدس سے ادا ہوئے ہیں۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔

مجھے رعب وداب کے ذریعے فتح ونصرت دی گئی۔

میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔

مالِ غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا۔

شفاعت کا مرتبہ مجھے عطا ہوا۔[9]

مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی قوموں کی طرف آتے تھے اور میں تمام دُنیا کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی زبانی ان میں چھٹی اور ساتویں خصوصیت بھی بیان ہوئی ہے وہ یہ کہ:

کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے ہیں۔

انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔[10]

احادیث کی دیگر روایات میں کچھ اور خصائص بھی زبانِ اقدس سے بیان ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ میرا معجزہ وحی قیامت تک کے لیے ہے۔ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہیں، میری نبوت اوّلین ہے، مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئی ہیں جو کسی اور کو نہیں ملیں، فلاں وقت کی نمازیں خاص میری اُمت کے لیے فرض ہوئی ہیں، لیکن فی الواقع ان میں بعض جزئیات ایسی ہیں جو ان ہی سات عنوانوں کے تحت کسی نہ کسی حیثیت سے مندرج ہیں، سورتوں کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے، بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ بعثتِ عامہ اور ختمِ نبوت میں داخل ہے۔

قرآن میں آپ کی دو فضیلتیں مذکور ہوئی ہیں وہ ان سب کو جامع ہیں۔ ایک تکمیلِ دین اور دوسرے ختمِ نبوت۔ بہر حال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہم ان کو نمایاں فضائل پر قرآنِ پاک اور احادیث کی روشنی میں ایک اجمالی نظر ڈالنا چاہیے۔[11]

بعثتِ عامہ اور اس کا آفاقی و عمرانی ارتقاء

اس سلسلے میں آپ ﷺ کی سب سے بڑی خصوصیت "بعثتِ عامہ" ہے، یعنی یہ کہ آپ تمام کائناتِ ارضی کی تمام آبادیوں کے لیے رسول بنا کر روانہ کیے گئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے اسی کو اپنے افادات میں تمام فضائلِ نبوی کی اساس قرار دیا ہے۔ اسی بعثتِ عامہ کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ اب روئے زمین پر شریعتِ محمدی کے علاوہ کسی شریعت کی پیروی کو ذریعۂ نجات ماننے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کی بعثت کی اس ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ اس میں نہ تو قوموں کی تخصیص ہے، نہ زمان و مکان کی، بلکہ حیات و وفات کی بھی قید نہیں ہے، یہاں تک کہ جن وانس کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

اگر غیر مکلف اور جمادات بھی غیر شعوری طور پر مستفیض ہو سکتے ہیں تو وہ بھی بلا شبہ اس میں داخل ہیں۔ الغرض یہ عموم و اطلاق یا تو خالق کی خالقیت و ربوبیت کے لیے ہے اور یا پھر حضور انور ﷺ کی رسالت کے لیے؛ وہ ربّ العالمین ہے تو یہ رحمۃ للعالمین ہیں؛ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى۔

اس کی مادی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھ جاؤ، کسی کے پیروؤں کی تعداد اس کی زندگی میں خود اس کی قوم اور ملک کے اندر ہی محدود پائی گئی، لیکن آپ ﷺ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان عجمی (فارس سے)، صہیب رومی (روم سے) اور بلال حبشی (حبشہ سے) رضی اللہ عنہم سب موجود پائے جاتے ہیں۔ سلاطینِ عالم کے نام آپ ﷺ کے سفارتی و دعوت نامے بھی اسی عمومِ بعثت کے عملی و مادی دلائل ہیں۔ اور یہ بعثتِ عامہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کے وجودِ اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا اور نبوت و رسالت کا سلسلہ متعین ہو گیا اور اب دُنیا کسی نئے آنے والے کے وجود سے مستغنی ہو گئی؛ اسی لیے قرآن نے زمانۂ نبوت کے سب سے بڑے مجمع (حجۃ الوداع) میں یہ اعلان کر دیا:

"اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا"[12]

آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔

عصری معنویت

دورِ حاضر میں عالمی سطح پر "مذہبی تکثیریت" (Religious Pluralism) کا ایک فکری فتنہ عام کیا جارہا ہے، جس کا دعویٰ ہے کہ تمام مذاہب (عیسائیت، یہودیت، وغیرہ) نجات کے لیے یکساں مادی راستے ہیں اور اسلام کی کوئی انفرادی حاکمیت نہیں ہے۔ یہ مبحث حضور ﷺ کی "بعثتِ عامہ" اور "تکمیلِ دین" کی بنیاد پر اس نظریے کا مادی بطلان کرتا ہے۔ جب شریعتِ محمدی نازل ہو گئی تو اب کائنات کے تمام انسانوں اور زمانوں کے لیے نجات کا واحد ذریعہ صرف اسلام ہے۔ معاصر مسلم مفکرین کو اس آفاقی تصورِ رسالت کے ذریعے الحادی اور لبرل نظریات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

فضائلِ نبوی اور مولانا محمد قاسمؒ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے سب انبیاء میں آپ ﷺ کی افضلیت کو جس فلسفیانہ انداز سے اپنے مخاطبوں کو سمجھایا ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ یہاں اسے نظر انداز کرنا خود علم سے بے انصافی ہو گی۔ انبیاء علیہم السلام کو "رسول" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قافلۂ انبیاء دراصل ایک "قافلۂ سفارت" ہے، یعنی وہ پیغامِ خداوندی پہنچاتے ہیں اور احکامِ الٰہی لاتے ہیں۔ اگر انبیاء کا قافلہ سفارت ہے تو قافلے کے لیے ایک سالارِ قافلہ (امیر) ہونا منطقی طور پر ضروری ہے، اور پھر رسالت اور سفارت ایک صفت ہے اور صفات دو قسم کی ہوتی ہیں:

1) صفاتِ ذاتیہ: ایک وہ جو موصوف کی اپنی ذاتی ہوں، کسی سے مانگی ہوئی یا مستعار نہ ہوں۔

2) صفاتِ عرضیہ: دوسری وہ جو اپنی ذاتی نہیں بلکہ موصوف میں یہ صفت کسی دوسرے کا فیضان اور عطا ہو۔

اور یہ بات بدیہی ہے کہ جہاں سے صفت کا فیضان ہو گا، وہاں اس کا "موصوفِ ذاتی" ضرور ہو گا، ورنہ صفات کا بغیر موصوف کے قائم ہونا لازم آئے گا جو کہ باطل ہے، اور موصوف ماننے کے ساتھ یہ ماننا بھی پڑے گا کہ وہ موصوف ہی "مصدرِ صفت" (Source of Attribute) ہے۔

زمین کو دیکھئے کہ یہ منور ہے، مگر نور کی یہ صفت اس کی اپنی نہیں بلکہ آفتاب (سورج) کا فیضان ہے، اور آفتاب کا نور ذاتی اور خانہ زاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اصولی بات یہ ہے کہ صفت کے لیے ایک مصدر ہونا چاہیے اور باقی جہان میں جہاں وہ صفت پائی جائے، وہ اسی کا فیضان ہو۔ یعنی ان کی صفت ذاتی نہیں بلکہ موصوفِ ذاتی کی عطا ہو۔

اس اصولی قاعدے کی رُو سے وہ موصوف جس میں صفت ذاتی اور خانہ زاد ہو، ان تمام کے مقابلے میں جن کی صفات موصوفِ اصلی کا فیضان ہوں، افضل ہو گا اور سب کی امامت و قیادت کا منصب دار بھی ہو گا اور ساتھ ہی سب کا خاتم (آخری حد) بھی ہو گا؛ کیونکہ اس موصوفِ ذاتی میں صفت کو مصدر ماننے کے ساتھ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ صفت اس میں اوّل اور بدرجہ اتم موجود ہے، اور جو صفت میں اولیت اور اتمیت کا حامل ہو گا وہی افضل ہو گا۔ اور چونکہ نبوت و رسالت بھی اوصاف میں سے ہی ایک صفت ہے، اور صفت بھی ایسی کہ اس میں احکامِ الٰہی کی رسالت ہے، اس لیے حضور انور ﷺ کی ذاتِ گرامی خاتم الانبیاء، سردارِ انبیاء اور افضل الانبیاء ہو گی۔[13]

مسئلۂ تفضیل میں آیات اور احادیث کا ظاہری تعارض

مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی سورہ البقرہ کی آیت "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ"[14] کے تحت ایک اہم علمی و فکری خلج (اشکال) کا ازالہ فرماتے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ اگر دوسرے انبیاء و مرسلین کے مقابلے میں قرآنِ مجید حضور انور ﷺ کی افضلیت کے بارے میں اس قطعیت کا مدعی ہے اور پوری امت کا اجمالی عقیدہ بھی یہی ہے، تو پھر ان احادیثِ صحیحہ کے بارے میں ہمارا فکری مطلع (موقف) کیا ہونا چاہیے جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں تفضیل سے منع فرمایا ہے۔

شاید آپ کے ذہن میں یہاں یہ خلج پیدا ہو کہ اگر دوسرے انبیاء و مرسلین کے مقابلے میں قرآن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے بارے میں اس قطعیت کا مدعی ہے اور پوری اُمت کا اجمالی عقیدہ بھی یہی ہے تو پھر ان احادیثِ صحیحہ کے بارے میں ہماری فکری مطلع کیا ہونا چاہیے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ نہ کہو کہ میں حضرت یونس سے افضل ہوں، چنانچہ امام بخاری نے بحوالہ ابو ہریرہ بیان کیا ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ہر گز یہ نہ کہے کہ میں یونس سے بہتر ہوں۔"[15]

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کے حوالہ سے یہ واقعہ آیا ہے کہ:

"ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم تیز کلامی ہو گئی۔ مسلمان نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی اور یہودی بولا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی، یہ سنتا تھا کہ مسلمان نے فوراً ایک تماچہ لگا دیا۔ یہودی حضور انور کی خدمت میں آیا اور سارا واقعہ بیان کر دیا حضور انور نے مسلمان کو بلایا اور اس معاملہ کی تحقیق کی، اس نے جو بات تھی صاف کہہ دی، آپ نے سُن کر فرمایا، موسیٰ پر تم مجھے اس طرح فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے روز ایک وقت آئے گا کہ تمام لوگ بیہوش ہو جائیں گے میں بھی اُن میں ہوں گا، پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرشِ عظیم کا پایہ تھامے ہوں گے، اب مجھے پتہ نہیں کہ وہ بیہوش ہوئے تھے یا ان کو مجھ سے پہلے ہوش آیا، یا پھر آپؑ ان میں شمار ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس بیہوشی سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔"[16]

اس موضوع پر محدثین اور شارحینِ حدیث کے جوابات مختلف ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ گرامی جس میں انبیاء میں باہم فضیلت یا ذاتِ اقدس کو کسی نبی پر فضیلت کی ممانعت آئی ہے اس دَور کے ارشادات ہیں جبکہ زیرِ نظر آیتِ تفضیل نازل نہیں ہوئی تھی، لیکن یہ جواب کچھ وزنی نہیں ہے کیونکہ یہودی کا یہ واقعہ یا یونس علیہ السلام کی فضیلت سے متعلق روایات کا سلسلہ اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جو مدنی زندگی کے آخری سال ہیں، اور اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے مابین واقعاتِ فضیلت خود ذاتِ اقدس سے منقول ہیں۔[17]

کچھ کا خیال یہ ہے کہ اگرچہ ان روایات میں سے بعض طریقوں میں فضیلتِ انبیاء سے متعلق عام الفاظ منقول ہیں یعنی لا تفضلوا بین الانبیاء مگر درحقیقت اس ارشادِ گرامی کا مقصد صرف ذاتِ اقدس ہے، جیسا کہ یہودی کے واقعہ اور یونس علیہ السلام سے متعلق روایت ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگرچہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولادِ آدم پر فضیلت دی ہے تاہم آپ نے یہ بات تواضع اور انکسار کے طور پر فرمائی ہے، مگر یہ جواب بھی کچھ بر محل نہیں ہے کیونکہ جب آپ نے ایک بات عام الفاظ میں نفی فرمائی تو اس کو بے دلیل صرف ذاتِ اقدس کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

کچھ کی رائے یہ ہے کہ جن روایات میں انبیاء علیہم السلام کو باہم ایک دوسرے پر فضیلت سے انکار کیا گیا ہے ان میں نفسِ نبوت میں فضیلت مراد ہے، خصائص اور فضائل کے لحاظ سے افضل و مفضل ہونے کا انکار نہیں ہے، یہ جواب اس وقت دُرست اور دلچسپ ہوتا جبکہ ارشادِ گرامی ایسے واقعہ سے متعلق ہوتا جس میں کسی نبی کے ماننے نہ ماننے کا واقعہ ہوتا، یہودی کے واقعہ میں نفسِ نبوت زیرِ بحث نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ کے افضل و مفضل ہونے کی بحث ہے۔[18]

مسئلہ فضیلت کا بہترین حل

اس مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ بلاشبہ انبیاء ورُسل کے درمیان فضائل موجود ہیں اور ان میں افضل و مفضل کی نسبت قائم ہے اور یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں، ان احادیث میں فضیلت دینے کی جو ممانعت آئی ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر اس طرح فضیلت نہ دو کہ جس سے ان میں باہم ایک دوسرے کی تنقیص لازم آتی ہو، یعنی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کسی پیغمبر کی محبت کے جوش میں اتنے بڑھ جاؤ کہ جس سے دوسرے پیغمبر کی شانِ رفیع کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو، جیسے خود پیغمبر کی شان میں ایسی مبالغہ آمیز مدحت طرازی ممنوع ہے کہ جس سے اللہ سبحانہٗ کی شانِ گرامی میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہو، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

"میری ایسی مبالغہ آمیز تعریف کرو جیسے نصاریٰ نے ابنِ مریم کی شان میں کی، میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں لہٰذا مجھے عبد اللہ اور رسول اللہ کہا کرو۔"[19]

نیز ایسے موقعہ پر بھی فضیلت کو موضوع بنانا دُرست نہیں ہے جبکہ یہ مسئلہ مجادلہ اور مناظرہ کی شکل اختیار کرے کیونکہ ایسے مواقع پر پوری احتیاط کے باوجود انسان جذبات کی رو میں بہہ کر دوسرے پیغمبر کے متعلق ایسی باتیں کہہ ڈالتا ہے جو ان کی توہین اور تنقیص کا باعث بن جاتی ہیں، اور نتیجہ میں آدمی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، چنانچہ جس واقعہ میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا وہ اسی قسم کا مجادلہ تھا، باقی نبیوں کے درمیان بعض خصائص اور فضائل کی بنا پر جو فرقِ مراتب قائم ہے اور جس کے بارے میں خود یہ فرماتا ہے تلک الرسل فضلنا بعضہم علیٰ بعض تو یہ امر محبوب ہے۔

"نبی کریم ﷺ نے جو انبیاء کے درمیان فضیلت دینے کی ممانعت فرمائی ہے تو علماء اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایسی فضیلت ممنوع ہے جو صرف

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

اپنی رائے اور عصبیت سے اختراع کی جائے۔ وہ فضیلت ممنوع نہیں ہے جو دلیل شرعی پر قائم ہو، یا وہ منع ہے جو اس انداز میں کی جائے جس سے دوسرے کی تنقیص ہوتی ہو یا خصومت اور جھگڑے کا باعث بنتی ہو۔ یا ایسی فضیلت سے روکا گیا ہے جو ایک ہی ذات کے اندر اس طرح تمام فضائل کو بند کرتی ہے جس سے دوسرے نبی میں ہر طرح کی فضیلت کی نفی لازم آتی ہو؛ لیکن اس طرح فضیلت بیان کرنا کہ مثلاً کوئی کہے کہ امام کو مؤذن پر فضیلت ہے، جائز ہے، کیونکہ اس سے مؤذن کی تنقیص لازم نہیں آتی۔"[20]

خلاصہ اس ساری گفتگو کا یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام پر اگرچہ مادی عتاب کا ذکر خود قرآن ہی میں موجود ہے، لیکن یہ بارگاہِ نبوت کے مطابق اللہ سبحانہٗ کے باہمی مواخذے کی بات ہے۔ حضور انور ﷺ نے اپنی اُمت کو یہ سبق سکھایا ہے کہ ان مواخذوں کو دیکھ کر کسی اُمت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے ذہن میں ان کے متعلق کمتری کا کوئی ادنیٰ تصور بھی لائے، یا حضور انور ﷺ کی عقیدت میں اس کے والہانہ جذبات اس کو کسی مذہبی تعصب کی طرف لے جائیں؛ کیونکہ انبیاء کی برگزیدہ جماعت میں افضل و مفضل تو ضرور ہیں، مگر کمتر کوئی نہیں ہے اور ان میں باہم تعصب پیدا کرنے والے کے لیے شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سب ایک ہی صداقت کے پروئے ہوئے موتی ہیں جن میں چھوٹا بڑا تو ضرور ہے مگر گھٹیا کوئی نہیں ہے۔

لہٰذا ان روایات کا حضور انور ﷺ کی فضیلت کے اس اجمالی عقیدے سے کوئی تعارض نہیں جو قرآن کی صریح آیات سے ثابت ہے۔ اس قسم کی جس قدر حدیثیں ہیں، ان سب کا تعلق ایسی فضیلت سے ہے جس سے دوسری جانب میں کسی تنقیص کا شائبہ ہونے کی مادی گنجائش ہو سکتی ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے آپ کو اس کی تائید ملے گی۔ بہر حال نبوت کا ذہن ہمیشہ افراط و تفریط سے خالی ہوتا ہے، وہ نہ کسی نبی کے متعلق مبالغہ آمیز ستائش کا کوئی کلمہ سُن سکتا ہے اور نہ اپنے متعلق کوئی ادنیٰ اطرار (حد سے بڑھی تعریف) برداشت کر سکتا ہے۔[21]

عصری معنویت

موجودہ دور میں سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے مابین شدید بحثیں، مناظرے اور ایک دوسرے کے مقدسات کی توہین کے مادی احوال عام ہیں۔ یہ مبحث معاصر دنیا کو مذہبی ہم آہنگی اور مکالمے کا وہ سنہرا نبوی قاعدہ فراہم کرتا ہے کہ اپنے پیشوا یا پیغمبر کی محبت میں اس حد تک غلو نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے دوسرے مسلمہ انبیاء (جیسے حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام) کی تنقیص یا دل آزاری کا پہلو نکلے۔ اسلام عقیدتِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ تمام انبیاء کے مادی و معنوی احترام کا درس دیتا ہے تاکہ معاشرے میں فتنہ و فساد کا راستہ روکا جا سکے۔

عصرِ حاضر کی مسلم امہ دو فکری انتہاؤں (افراط و تفریط) کا شکار ہے۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جو عقیدت کے غلو میں رسول اللہ ﷺ کو انسانی اور عبدیت کے مقام سے بڑھا کر الٰہی صفات کا حامل بنا دیتا ہے (جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا)، اور دوسری طرف وہ جدید لبرل طبقہ ہے جو منصبِ رسالت کو صرف ایک مادی ڈاکیا یا عام انسان سمجھ کر اس کی شرعی حیثیت کو ہلکا کرتا ہے۔ یہ مبحث فکری اعتدال سکھاتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے عبد اور رسول ہیں، کائنات میں سب سے افضل ہیں، مگر الٰہی حدود کے اندر۔ امتِ مسلمہ کو اسی اعتدال پسند اسوہ کو دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

رفعِ درجاتِ مصطفیٰ ﷺ کا ادبی و اسلوبیاتی اعجاز

مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی سورہ البقرہ کی آیت وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ[22] (اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے درجے بلند کیے) کے تحت جمہور مفسرینِ امت کے منہج کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس دوسرے فقرے سے مراد جمہور مفسرینِ قرآن کے نزدیک حضور انور ﷺ ہیں۔ اور تقاضائے مقام بھی یہی ہے کہ حضور انور ﷺ کی ذاتِ گرامی مراد ہو۔ مخاطبوں میں یہودی، عیسائی اور مسلمان ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر صراحتہً آ گیا اور حضور انور ﷺ کا ذکر آپ کے عالی مقام کے لحاظ سے اس فقرے میں اشارةً (کنایۃً) فرمایا۔

امام جار اللہ زمخشری نے کنائی زبان میں حضور انور ﷺ کے ذکر کی اسلوبیاتی وجہ یہ بتائی ہے کہ جہاں شناخت اور تعیین میں کوئی وقت (دشواری) نہ ہو اور ذات مخاطبوں کے لیے معروف اور جانی پہچانی ہو، وہاں کنایہ و ابہام صراحت و تفصیل سے بڑھ کر بلیغ اور مؤثر ہوتا ہے۔ اور پھر اس اندازِ بیان میں مزید لطف یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کا ذکر درمیان میں ہے جبکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر سیاق و سباق میں ہے؛ یہ بھی گویا اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی شریعت ان دونوں کی شریعتوں کے درمیان اور بہترین ہے، جیسے خود آپ کی اُمت دونوں اُمتوں کے مابین اور بہترین ہے۔[23]

The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

نظام خصائص کا ثلاثی اجمال (ذات، کتاب اور امت)

آپ ﷺ کے درجات وہ خصائص ہیں جو آپ کو اللہ کی جانب سے ارزاں ہوئے ہیں۔ یہ خصائص بنیادی طور پر تین قسموں پر منقسم ہیں:

1) پہلی قسم: وہ خصائص جو صرف آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی اور ساختِ شریعت میں ہیں۔

2) دوسری قسم: وہ خصائص جو آپ ﷺ کی لائی ہوئی مقدس کتاب (قرآنِ مجید) میں ہیں۔

3) تیسری قسم: وہ خصائص جو آپ ﷺ کی پیروکار اُمت (امتِ مسلمہ) میں ہیں۔

ان تینوں اقسام کا مفصل ذکر قرآنِ مجید میں موجود ہے۔

خصوصیاتِ ذات کا قرآنی بیان: حسنِ اخلاق اور رحمتِ عالم

آپ کی ذاتِ گرامی سے متعلق جو خاص مزیت و خصوصیت قرآن نے بیان کی ہے وہ یہ ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ[24] (اور بیشک آپ تو بہت بڑے اخلاق کے مالک ہیں)۔

حضور انور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر پیدا فرمایا وہ مثالی ہیں۔ آپ ﷺ کے اعمال و اخلاق قرآن کی عملی تفسیر تھے۔ قرآن جس نیکی، جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ آپ ﷺ میں فطرۃً موجود تھی اور جس بدی و زشتی سے روکتا ہے، آپ ﷺ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور ترتیب ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حدِ مناسبت و اعتدال سے ایک انچ اِدھر اُدھر ہٹنے نہیں پاتی، آپ کا حسنِ اخلاق اجازت نہیں دیتا کہ آپ کسی بُرائی پر کان دھریں۔

1) **دوسری عظیم ذات کی خصوصیت:** دوسری خصوصیت جو قرآن ہی نے آپ کی بتائی ہے وہ یہ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ[25] (اور ہم نے آپ کو ہی سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر روانہ کیا ہے)۔ یعنی حضور انور ﷺ کی دوسرے انبیاء کے مقابلے میں ایک اہم برتری اور بزرگی یہ ہے کہ آپ کی نبوت کسی ایک ملک، کسی ایک قوم، یا کسی ایک نسل کے لیے نہیں بلکہ تمام دُنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہے۔ یہ درجہ بیان کر کے قرآن نے ہمارے ہاتھ میں ایک ایسی کسوٹی دے دی ہے کہ اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ سکتے ہیں۔ اگر فی الحقیقت یہ تمام نوعِ انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ہے (اور ہے) تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں؛ یہ جوامع الاسرار کی بے لاگ جانچ ہے۔ ہر طرح کی مذہبی خوش اعتقادیوں سے منزہ، ہر طرح کی خود پرستانہ طرفداریوں سے پاک، کیونکہ یہاں حقیقت کی عدالت ہے اور وہ صرف حقیقت کی شہادت قبول کرتی ہے۔ یہ وہ قصہ ہے کہ یہ بات جو آپ کے بارے میں فرمائی گئی ہے، کسی اور پیغمبر کے بارے میں نہیں کہی گئی۔

2) **تیسری خصوصیت (بعثتِ عامہ):** قرآن ہی میں دوسرے انبیاء کے مقابلے میں آپ کا یہ خصوصی درجہ بھی بتایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا[26] (اور ہم نے آپ کو پوری انسانیت کے لیے بشیر و نذیر بنا کر روانہ کیا ہے)۔ یہ بھی وہی درجۂ خصوصیت ہے جسے ہم پہلے "بعثتِ عامہ" کے عنوان سے پیش کر چکے ہیں۔[27]

خصوصیاتِ کتاب اور خصوصیاتِ امت کا اعجاز

قرآنِ کریم نے خود اپنے آپ کو اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کی یہ فضیلت بیان کی ہے کہ:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ[28] (بلاشبہ یہ قرآن راہ دکھاتا ہے ایسی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے)۔ یعنی قرآنِ کریم ہدایت کی ایسی راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے۔ قرآن نے اپنے اندر جس قدر اوصاف بیان کیے ہیں، ان سب میں جامع ترین وصف یہی ہے کہ زندگی اور سعادت کے ہر گوشے میں اس کی رہنمائی سیدھی بات کے لیے ہے؛ کسی طرح کی کجی، کسی طرح کا پیچ و خم، کسی طرح کا الجھاؤ، یا کسی طرح کی افراط و تفریط اس کی رہنمائی میں نہیں ہے۔

آپ کی پیروی سے بنی ہوئی اُمت کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ آپ کی اُمت کو "امتِ وسط" (وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا) اور "خیرِ اُمت" (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) قرار دیا گیا ہے۔ اگر قرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو دوسرے انبیاء کے مقابلے میں حضور انور ﷺ کے رفعِ درجات کی بے شمار مثالیں قرآن ہی سے مل جائیں گی۔[29]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

کتبِ سیرت وخصائص کا محاکمہ: نیشاپوری تا سیوطی

اربابِ سیر نے ان درجات وفضائل کو آپ کے خصائص کے تحت بیان کیا ہے اور خصائص کی کثرت کو حضور انور ﷺ کی فضیلت کا معیار قرار دیا ہے۔ انہوں نے معمولی سے معمولی بات کو بھی خصوصیات میں شمار کر لیا ہے۔

مثلاً حافظ ابوسعید نیشاپوری[30] نے شرف المصطفیٰ میں آپ کے خصائص کی تعداد ساٹھ (60) لکھی ہے۔[31]

حافظ جلال الدین سیوطی[32] نے الخصائص الکبریٰ میں اس پر سینکڑوں کا اور اضافہ کر دیا۔[33]

لیکن یہ زیر نظر آیت خصائص کا نہیں بلکہ نبیوں کے مقابلے میں "رفعِ درجات" کا اعلان کر رہی ہے، اس لیے ہمیں اس کے لیے قرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ضروری ہے کہ یہ بات خود قرآن کی زبانی سُنی جائے، اور وہ بھی ایک معتقد کی طرح نہیں بلکہ ایک محقق کی طرح اور پھر عالمِ انسانیت کے ایک ایک گوشے سے شہادت طلب کی جائے۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جو اس موضوع پر علمی حیثیت سے وقیع سمجھی جا سکے۔ بہر حال ہم یہاں اس کی کوشش کریں گے اور ایک خاص عنوان کے تحت یہ مسئلہ بیان کریں گے۔ یہاں خامیِ تفصیل کی گنجائش نہیں اور اختصار مفیدِ مدعا نہیں ہے۔[34]

عصری معنویت

مغربی میڈیا اور مستشرقین کی جانب سے اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ کی ذات کو (معاذ اللہ) شدت پسندی یا کسی خاص گروہ کے مقتدر مأخذ کے طور پر پیش کر کے "اسلاموفوبیا" کا فتنہ پھیلایا جاتا ہے۔ یہ مبحث ان کا قطعی اور علمی رد پیش کرتا ہے کہ قرآن نے آپ ﷺ کو رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ اور كَافَّةً لِلنَّاسِ قرار دیا ہے۔ آپ کی رحمت صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ جمادات، حیوانات، غیر مسلموں اور پوری انسانیت کے حقوق کے تحفظ کی ضامن ہے۔ مسلم دانشوروں کو چاہیے کہ وہ معاصر دنیا کے سامنے سیرتِ طیبہ کے اس اجمالی اور محققانہ رخ کو پیش کریں تاکہ عالمی سطح پر پھیلی ہوئی غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔

خاتمہ بحث

زیرِ نظر تحقیق میں "معالم القرآن" کی روشنی میں مباحثِ تفضیلِ رسالت، نظامِ خصائص اور ان کی عصری معنویت کا جو کلامی و اسلوبیاتی جائزہ لیا گیا ہے، اس سے یہ فکری حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی نے افضلیتِ انبیاء کے باب میں امت کے مابین پائے جانے والے افراط و تفریط کا بہترین کلامی و متکلمانہ حل پیش کیا ہے۔ انہوں نے علمی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جہاں حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کائنات کی افضل ترین ہستی ہے، وہیں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت اور ان کے حقوقِ منصب کا پاس رکھنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اس تحقیق سے یہ عقدہ کھلتا ہے کہ احادیثِ ممانعت کا تعلق تفضیلِ مفسد یعنی اس فضیلت سے ہے جو کسی دوسرے کی تنقیص، عصبیت یا باہمی مجادلے کا باعث بنے، ورنہ دلیلِ شرعی پر قائم فضائل کا بیان نہ صرف جائز بلکہ مقصودِ الٰہی ہے۔ مزید برآں، کاندھلوی صاحب نے امام محمد قاسم نانوتویؒ کے کلامی افکار سے استفادہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کے "موصوفِ ذاتی" اور باقی انبیاء کے "موصوف بالعرض" ہونے کے فلسفے کو جس عقلی انداز میں قرآنی آیات سے ثابت کیا ہے، وہ برصغیر کے روایتی تفسیری سرمائے میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ "معالم القرآن" کا بنیادی حسن یہ ہے کہ یہ روایتی کتبِ خصائص کی طرح صرف روایات پر تکیہ نہیں کرتی، بلکہ خصائصِ نبوی کو قرآنِ مجید کے نحوی، بلاغتی اور کنائی اسلوب سے کشید کرتی ہے، جس کی واضح مثال "ورفع بعضهم درجت" کی اسلوبیاتی توجیہ ہے۔

موجودہ دور کے الحادی اور لبرل نظریات جیسے "مذہبی تکثیریت" اور "اسلاموفوبیا" کا علمی اور عقلی بطلان کرنے کے لیے "معالم القرآن" میں مذکور تکمیلِ دین اور بعثتِ عامہ کے مباحث ایک مضبوط نظریاتی ڈھال فراہم کرتے ہیں، کیونکہ جب شریعتِ محمدی نازل ہو گئی تو اب کائنات کے تمام انسانوں اور زمانوں کے لیے نجات کا واحد ذریعہ صرف اسلام ہے۔ سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر جاری مذہبی مناظروں اور مقدسات کی توہین کے مادی احوال کے تناظر میں یہ مبحث دنیا کو مذہبی ہم آہنگی کا وہ سنہرا نبوی قاعدہ فراہم کرتا ہے کہ اپنے پیشوا کی محبت میں اس حد تک غلو نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے دوسرے مسلمہ انبیاء کی تنقیص یا دل آزاری کا پہلو نکلے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی کی تفسیر "معالم القرآن" محض ایک روایتی شرح نہیں، بلکہ جدید کلامی و اسلوبیاتی تناظر میں مطالعۂ سیرت و رسالت کا ایک آفاقی ضابطہ ہے۔ عصرِ حاضر میں جب مسلم امہ ایک طرف مغربی استشراق اور فکری عالمگیریت کے دباؤ میں ہے، اور دوسری طرف اندرونی طور پر فکری الحاد یا غلو کا شکار ہے؛ ایسے میں یہ مقالہ اس بات کی پرزور سفارش کرتا ہے کہ عصری جامعات میں اس مفسرِ جلیل کے کلامی و تفسیری منہج کو باقاعدہ نصاب اور تحقیق کا حصہ

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

بنایا جائے تاکہ اسلام کے ابدی و آفاقی پیغام کو دنیا کے سامنے ایک متبادل تہذیبی نظام کے طور پر پیش کیا جا سکے۔

مصادر و مراجع

---

1 سورۃ البقرۃ02:252-253

2 **محمد علی صدیقی، معالم القران**(یوپی: مکتبۃ الغزالی دیوبند، جولائی1986ء)، ج:2، ص:776

3 "النَّبِی هُوَ الَّذِی یؤْمَرُ بِانْ یبَلِّغَ قَوْمًا مُؤْمِنِینَ بِشَرِیعَۃ قَبْلَهُ، کَانْبِیاءِ بَنِی اسْرَائِیلَ، وَالرَّسُولُ هُوَ الَّذِی یبْعَثُ الَی قَوْمٍ کَافِرِینَ یدْعُوهُمْ الَی تَوْحِیدِ اللَّهِ وَطَاعَتِهِ"[**تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ، النبوات** (الریاض: اضواء السلف، الطبعۃ الاولی، 1420ھ) ج:1، ص:230]

4 ابن تیمیۃ، **النبوات**، ج:1، ص:235؛ صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:48

5 ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، **السیرۃ النبویۃ**(بیروت: دار المعرفۃ، 1395ھ)، ج:1، ص:142

6 صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:48

7 سورۃ البقرۃ02:253

8 **محمد قاسم نانوتوی، آبِ حیات**(دیوبند: کتب خانہ رحیمیہ، سنہ ندارد) ص:65

9 "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، انَّ النَّبِی صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اعْطِیتُ خَمْسًا لَمْ یعْطَهُنَّ احَدٌ قَبْلِی: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیرَۃ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِی الارْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، فَایمَا رَجُلٍ مِنْ امَّتِی ادْرَکَتْهُ الصَّلاَۃ فَلْیصَلِّ، وَاحِلَّتْ لِی المَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاحَدٍ قَبْلِی، وَاعْطِیتُ الشَّفَاعَۃ، وَکَانَ النَّبِی یبْعَثُ الَی قَوْمِهِ خَاصَّۃ وَبُعِثْتُ الَی النَّاسِ عَامَّۃ"[**محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری**(بیروت: دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الاولی، 1422ھ)، ج:1، ص:91، کتاب **التیمم**، حدیث نمبر:335]

10 "عَنْ ابِی هُرَیرَۃ، انَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فُضِّلْتُ عَلَی الْانْبِیاءِ بِسِتٍّ: اعْطِیتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاحِلَّتْ لِی الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِی الْارْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَارْسِلْتُ الَی الْخَلْقِ کَافَّۃ، وَخُتِمَ بِی النَّبِیونَ"[**مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم**(بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1374ھ) ج:1، ص:371، کتاب **المساجد و مواضع الصلاۃ**، حدیث نمبر:523]

11 صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:52

12 سورۃ المائدۃ03:05

13 **محمد قاسم نانوتوی، آبِ حیات**، ص:65

14 سورۃ البقرۃ02:253

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

15 "عَنْ ابی هُرَیْرَۃ رَضِی اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لا یَنْبَغِی لِعَبْدٍ انْ یقُولَ: انا خَیْرٌ مِنْ یونُسَ بْنِ مَتَّی"[البخاری، **صحیح البخاری**، ج:6، ص:51، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالی: وان یونس لمن المرسلین، حدیث نمبر:3395]

16 "عَنْ ابی هُرَیْرَۃ رَضِی اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلانِ: رَجُلٌ مِنَ المسْلِمِینَ، وَرَجُلٌ مِنَ الیهُودِ، فَقَالَ المسْلِمُ: وَالَّذِی اصْطَفَی مُحَمَّدًا عَلَی العَالَمِینَ، فَقَالَ الیهُودِی: وَالَّذِی اصْطَفَی مُوسَی عَلَی العَالَمِینَ، فَرَفَعَ المسْلِمُ یدَہُ عِنْدَ ذَلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الیهُودِی، فَذَهَبَ الیهُودِی الَی النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَاخْبَرَہُ... فَقَالَ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: لا تُفَضِّلُونِی عَلَی مُوسَی، فَانَّ النَّاسَ یصْعَقُونَ یوْمَ القِیامَۃ فَاصْعَقُ مَعَهُمْ، فَاکُونُ اوَّلَ مَنْ یفِیقُ، فَاذَا مُوسَی بَاطِشٌ بِجَانِبِ العَرْشِ، فَلا ادْرِی اکَانَ فِیمَنْ صَعِقَ فَافَاقَ قَبْلِی، اوْ مِمَّنِ اسْتَثْنَی اللّٰہُ"[البخاری، **صحیح البخاری**، ج:3، ص:119، کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیهودی، حدیث نمبر:2411]

17 صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:53

18 صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:53

19 "لا تُطْرُونِی کَمَا اطْرَتِ النَّصَارَی ابْنَ مَرْیمَ، فَانَّمَا انَا عَبْدُہُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُولُہُ"[البخاری، **صحیح البخاری**، ج:4، ص:167، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر:3445؛ ومسلم، **صحیح مسلم**، ج:3، ص:1310]

20 احمد احمد بن علی بن حجر العسقلانی، **فتح الباری بشرح صحیح البخاری** (قاہرہ: دار الریان للتراث، 1407ھ)، ج:6، ص:346

21 صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:55

22 سورۃ البقرۃ 253:02

23 ابو القاسم محمود بن عمرو الزمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل (بیروت: دار الکتاب العربی، 1407ھ) ج:1، ص:296

24 سورۃ القلم 04:68

25 سورۃ الانبیاء 107:21

26 سورۃ السبا 28:34

27 صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:58

28 سورۃ الاسراء 09:17

29 صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:58

30 حافظ ابو سعید نیشاپوری (وفات 407ھ) عبد الملک بن محمد بن ابراہیم الخرکوشی النیشاپوری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے جلیل القدر

محدث، فقیہ اور سیرت نگار ہیں۔ اپ کی مایہ ناز تصنیف شرف المصطفیٰ سیرتِ نبوی اور خصائصِ مصطفیٰ ﷺ کے ماخذ پر لکھی گئی قدیم ترین اور معتبر ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے، جس میں انہوں نے اپ ﷺ کے اوصاف اور ساٹھ بنیادی خصائص کو الاسناد کے ساتھ جمع کیا۔ [شمس الدین الذہبی، سیر اعلام النبلاء(، ج:17، ص:256]۔

31 ابو سعید عبد الملک بن محمد النیشابوری، **شرف المصطفی** (مکۃ المکرمۃ: دار البشائر الاسلامیۃ، الطبعۃ الاولی، 1424ھ) ج:1، ص:320، باب ذکر ما خُص بہ النبی ﷺ عن الانبیاء

32 حافظ جلال الدین سیوطی (849ھ–911ھ / 1445ء–1505ء) عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد الخضیری السیوطی، قاہرہ (مصر) کے متبحر عالم، مفسر، محدث اور مورخ ہیں۔ اپ "مجددِ وقت" کہلاتے ہیں اور اپ نے مختلف علوم پر پانچ سو سے زائد کتب تصنیف کیں۔ سیرت اور خصائصِ نبوی میں اپ کی کتاب الخصائص الکبری (کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب) لائقِ صد تحسین ہے، جس میں کتبِ حدیث سے اپ ﷺ کے مادی و معنوی معجزات اور سینکڑوں خصائص کو منظم کیا۔ [ابن ایاس، **بدائع الزھور فی وقائع الدھور** (القاھرۃ: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، 1984ء) ج:4، ص:91]۔

33 جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، **الخصائص الکبری** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1405ھ) ج:1، ص:18، باب اختصاصہ ﷺ فی ذاتہ وشریعتہ باصل الخصائص

34 صدیقی، **معالم القران**، ج:3، ص:58